25

ڈاکٹر میجر محمود احمد صاحب کی شہادت پر جماعت کو کیا ردّ عمل دکھانا چاہیئے۔

(فرمودہ 20 اگست 1948ء بمقام پارک ہاؤس کوئٹہ)
(غیر مطبوعہ)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"پرسوں رات جو واقعہ ہوا ہے☆ وہ ایسا نہیں ہے جسے ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیا جائے۔ دنیا میں ہر بڑے کام کا کوئی نہ کوئی نتیجہ ہوتا ہے اور وہ نتیجہ ہر شخص اپنے اپنے رنگ میں نکالتا ہے۔ گندے لوگ گندے پہلو سے اُس کا نتیجہ نکالتے ہیں اور شریف آدمی شریف پہلو سے اُس کا نتیجہ نکالتے ہیں۔ مگر بہر حال عقلمند آدمی کسی اہم کام کو نظر انداز نہیں کیا کرتا۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ اگر وہ ایسا کرے گا تو یہ اُسے احمق تو ثابت کر دے گا مگر اُس کام کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ جیسے کہتے ہیں جب کبوتر پر بلی حملہ آور ہوتی ہے تو وہ آنکھیں بند کر لیتا ہے اور سمجھ لیتا ہے کہ اب وہ بلّی سے محفوظ ہوگیا ہے۔ وہ خیال کرتا ہے کہ چونکہ اُسے بلّی نظر نہیں آ رہی اِس لیے وہ بھی اِس بلّی کو نظر نہیں آ رہا۔ حالانکہ کسی اہم کام کو نظر انداز کر دینے سے اُس کی اہمیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

جو واقعہ پرسوں رات ہوا ہے اُس کا کیا ردِّ عمل ہوگا؟ یہ ایک سوال ہے جس پر ہمیں غور کرنا چاہیے۔

☆ ڈاکٹر میجر محمود احمد صاحب کی شہادت کے بعد 20 اگست کو حضور نے یہ خطبہ جمعہ کوئٹہ میں دیا۔

دنیا میں سب لوگ برابر نہیں ہوتے۔کوئی رذیل ہوتا ہے اور کوئی شریف ہوتا ہے اور ہر ایک اپنے اپنے رنگ میں ردِّعمل اختیار کر لیتا ہے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک انصاری نوجوان سے غلطی ہوئی اور اُس کی زبان سے یہ الفاظ نکل گئے کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال مکہ والوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ آپؐ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے انصار کو اکٹھا کیا اور فرمایا اے انصار! مَیں نے سنا ہے تم میں سے ایک نوجوان نے یہ کہا ہے کہ خون تو ہماری تلواروں سے ٹپک رہا ہے اور مالِ غنیمت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہم وطنوں اور رشتہ داروں کو دے دیا ہے۔ انصار نے روتے ہوئے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم میں سے ایک بیوقوف نوجوان نے یہ بات کہہ دی ہے ورنہ ہم اُس سے بیزار ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے انصار! تم یہ کہہ سکتے ہو کہ جب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جو آپ کے ہم وطن تھے اور رشتہ دار تھے اپنے شہر سے نکال دیا تو ہم نے آپؐ کو پناہ دی۔ حالانکہ آپؐ ہماری قوم کے نہیں تھے، آپ ہمارے وطن کے نہیں تھے۔ پھر مکہ والوں نے یہیں تک بس نہیں کیا بلکہ انہوں نے آپؐ کا مدینہ میں بھی پیچھا نہ چھوڑا اور آپ پر حملہ کر دیا۔ اِس پر ہم نے اپنی جانیں قربان کر کے آپ کی حفاظت کی لیکن جب ہماری قربانیوں اور فدائیت کی وجہ سے آپؐ نے فتح پائی تو آپ نے غنیمت کے تمام اموال اپنے ہم وطنوں اور رشتہ داروں کو دے دیئے اور مدینہ والوں کو نظر انداز کر دیا۔ انصار نے عرض کیا یا رسولَ اللہ! ہم ایسا نہیں کہتے۔ یہ الفاظ ہمارے ایک بیوقوف نوجوان کے منہ سے نکلے ہیں۔ آپ نے فرمایا اے انصار! اگر تم چاہو تو یہ بھی کہہ سکتے ہو کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں مبعوث ہوئے۔ وہ مکہ جس کے لیے یہ عزت اور رتبہ مقدّر تھا اُس کے رہنے والوں نے اِس نعمت کی ناقدری کی اور خدا کے رسول کو باہر نکال دیا اور خدا نے یہ نعمت مدینہ والوں کے سپرد کر دی۔ آخر خدا نے اپنے نشانوں اور معجزات کے ذریعے اُسے فتح دی، اپنے فرشتوں کی مدد سے اُسے دشمنوں پر غلبہ بخشا اور یہ چھوٹی سی قوم فاتح بن گئی۔ جب مکہ فتح ہو گیا تو مکہ والے یہ اُمیدیں لگائے بیٹھے تھے کہ ہماری امانت ہمیں واپس مل جائے گی اور اللہ تعالیٰ کا رسول مکہ میں پھر واپس آ جائے گا۔ مگر بجائے اللہ کے رسول کو مکہ میں لے جانے کے مکہ والے تو اونٹ اور بکریاں ہانک کر اپنے گھروں میں لے گئے اور مدینہ والے اللہ تعالیٰ کے رسول کو اپنے ساتھ لے گئے۔[1] پس ہر ایک چیز کو مختلف نقطہ ہائے نگاہ سے دیکھا جا سکتا ہے۔

پرسوں رات جو واقعہ ہوا ہے اُس کا یہ ردِّعمل بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ ایک جان ضائع ہوگئی ہے اِس لیے ہمیں احمدیت کو چھوڑ دینا چاہیے۔ یہ بے ایمانی کا ردِّعمل ہوگا۔ اِس کا یہ بھی ردِّعمل ہوسکتا ہے کہ اب کمزوری اور بزدلی دکھائی جائے ورنہ ہم بھی مارے جائیں گے۔ یہ غیر اسلامی ردِّعمل ہوگا۔ پھر ایک یہ بھی ردِّعمل ہوسکتا ہے کہ ہم بھی دوسروں کو مارنے لگ جائیں۔ مگر یہ بھی غیر اسلامی ردِّعمل ہوگا۔ کیونکہ مارنے سے دل درست نہیں ہوتے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگر تلوار اٹھائی تھی تو کفار کے انتہائی ظلم کے بعد اٹھائی تھی اور پھر اُن ظلموں کو ایک لمبے عرصہ تک برداشت کرنے کے بعد اٹھائی تھی۔ پہلے ہی دن آپ نے ایسا نہیں کیا کہ اگر کسی کافر نے کسی مسلمان کو مارا ہو تو آپ نے بھی اُسے مارنا شروع کر دیا ہو۔ بلکہ جب انتہائی مظالم کی وجہ سے آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے اور پھر بھی کفار نے آپ کا پیچھا نہ چھوڑا تب خدا تعالیٰ نے آپ کو اور آپ کی جماعت کو اجازت دی کہ وہ بھی دشمن کے مقابلے میں تلوار اٹھا سکتے ہیں۔ 2 پس رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تلوار اٹھائی تو اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اور اُس وقت اُٹھائی جب آپ نے دیکھ لیا کہ دشمن اپنی شرارتوں سے باز نہیں آتا۔ پھر ایک ردِّعمل یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ہم یہ جگہ چھوڑ کر بھاگ جائیں جیسے بزدل بھاگ کھڑے ہوتے ہیں مگر اسلام اس کی بھی اجازت نہیں دیتا۔

مَیں جماعت کے دوستوں کو یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ فعل صرف اس لیے ہوا ہے کہ ان لوگوں میں ایمان نہیں تھا، انہیں صداقت کا کوئی علم نہیں تھا۔ اُنہوں نے یہ کام بیوقوفی سے کیا اور اِس میں صرف آپ لوگوں کا ہی قصور ہے۔ اگر آپ نے انہیں احمدیت سے واقف کیا ہوتا تو وہ اِتنے جاہل کیوں بنتے؟ پس پرسوں رات جو واقعہ ہوا ہے اس کا ایک ردِّعمل یہ بھی ہے کہ آپ لوگ تبلیغ کو زیادہ کر دیں۔

غرض اِس کے کئی ردِّعمل ہو سکتے ہیں۔ ایک یہ کہ ہم ڈر جائیں اور خاموش ہو جائیں یہ منافقت اور بے دینی کا ردِّعمل ہوگا۔ یا ہم لڑنے لگ جائیں یہ اسلام سے ناواقفیت کا ردِّعمل ہوگا۔ یا ہم بھاگ جائیں یہ کمزوروں اور بزدلوں کا ردِّعمل ہوگا۔ یہ حملہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ صرف اِسی وجہ سے ہوا ہے کہ وہ لوگ احمدیت سے ناواقف تھے۔ یہ حملہ ہمارے اپنے فرض کی ادائیگی میں کمزوری دکھانے کی وجہ سے ہوا ہے۔ پس ہمیں اب پوری کوشش کرنی چاہیے کہ ہم ان لوگوں کو احمدیت کی تعلیم سے روشناس

کریں اور اِس کام کے لیے زیادہ سے زیادہ قربانی کا نمونہ دکھائیں۔ یہی ایک صحیح ردِّعمل ہے اور یہی فطرتِ صحیحہ کے مطابق ہے اور اِسی میں حقیقی جرأت اور دلیری پائی جاتی ہے۔

اِس واقعہ کے بعد آپ کو چاہیے کہ اپنے اندر ایک خاص تبدیلی پیدا کریں اور وہ اِس رنگ میں کہ آپ سمجھ لیں کہ جو کچھ کیا گیا ہے وہ اِسی لیے کیا گیا ہے کہ آپ کے غیر بہت زیادہ تعداد میں تھے اور آپ بہت کم تھے۔ اگر آپ بھی دس بیس ہزار ہوتے تو اُنہیں ایسا کرنے کی جرأت نہ ہوتی۔ اگر ہماری جماعت کے لوگ تبلیغ میں سُست نہ ہوتے اور یہ لوگ جان لیتے کہ احمدیت کیا ہے، اگر یہ لوگ جان لیتے کہ احمدیت کے ذریعہ ہی اسلام نے غالب آنا ہے تو احمدیت کے خلاف ان میں اتنا جوش کبھی نہ پایا جاتا۔ اور پھر اگر جماعت صحیح رنگ میں تبلیغ کرتی تو اِس کی تعداد بھی بڑھ جاتی۔ بزدل ایسے لوگوں پر کبھی حملہ آور نہیں ہوتے جن کی تعداد زیادہ ہو۔ بزدل ہمیشہ اُن لوگوں پر ہی حملہ کرتے ہیں جن کے متعلق وہ جانتے ہیں کہ وہ کمزور ہیں۔ اور جب کسی جماعت کی تعداد زیادہ ہو جاتی ہے تو پھر بزدل ڈر جاتا ہے۔ پس اگر صحیح طور پر تبلیغ ہوتی تو جماعت اب سے کئی گُنا زیادہ ہوتی اور دشمن اِس وقت تک مرعوب ہو چکا ہوتا۔

جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی بتایا تھا یہاں پورے طور پر تبلیغ نہیں کی گئی۔ جس کا نتیجہ اب نظر آ گیا ہے۔ جماعت کا ہر فرد اپنی اپنی جگہ پر بیٹھا ہوا ہے اور سمجھتا ہے کہ اللہ میاں خود ہی تبلیغ کریں گے۔ یا اگر اُس نے چندہ دے دیا ہے تو گویا اُس نے اللہ تعالیٰ پر احسان کر دیا ہے۔ مگر کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں صحابہؓ اتنا ہی وقت تبلیغ پر صَرف کیا کرتے تھے جتنا تم کرتے ہو۔ جب دشمن اعتراض کرتا ہے کہ اسلام تلوار کے ساتھ پھیلا ہے تو آپ لوگ یہی جواب دیتے ہیں کہ اسلام تلوار کی وجہ سے نہیں بلکہ تبلیغ کی وجہ سے پھیلا ہے۔ تو کیا صحابہ تلوار کے علاوہ تبلیغ پر اِتنا ہی وقت خرچ کرتے تھے جتنا آپ لوگ کرتے ہیں؟ اگر نہیں تو اِس کے صاف معنے یہ ہیں کہ ہم اپنے فرض کو نہیں پہچانتے۔ سو اِس واقعہ کا صحیح ردِّعمل یہی ہے کہ آپ تبلیغ کو اَور زیادہ تیز کر دیں۔ مومن ڈرا نہیں کرتا۔ آپ خدا تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں۔ اگر آپ خدا تعالیٰ کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں گے تو وہ احمدیت کی حقیقت کو پہچان لیں گے اور اُن کے دلوں سے خود بخود کینہ نکلتا جائے گا۔ اور جب احمدیت کی اشاعت ہو جائے گی تو اِس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ جہالت جاتی رہے گی اور ان لوگوں کو پتہ لگ جائے گا کہ احمدیت اسلام

کی دشمن نہیں بلکہ احمدیت ہی حقیقی اسلام ہے۔ اور جو شخص انہیں احمدیت کے خلاف مائل کرے گا وہ اُس کی بات نہیں مانیں گے بلکہ سمجھ لیں گے کہ وہ انہیں اسلام کے خدمت گاروں کے خلاف لڑانا چاہتا ہے۔

پس اس کی کُلّی ذمہ داری جماعت پر ہے۔ جماعت نے تبلیغ میں سُستی کی اور سچائی کو لوگوں تک نہیں پہنچایا۔ یہ لوگ جاہل ہیں اور احمدیت سے ناواقف ہیں۔ مذہبی جوش میں آ کر وہ ایسا کر جاتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم خدا تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے ایسا کر رہے ہیں مگر وہ نہیں جانتے کہ درحقیقت وہ خدا تعالیٰ کو ناراض کر رہے ہیں اور اُس کی تعلیم کے خلاف حرکات کر رہے ہیں۔ چونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ جو کچھ وہ کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں اِس لیے دیوانگی کے ساتھ اُنہوں نے ایسا کیا۔ اور اپنے خیال میں اُنہوں نے سمجھ لیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کر رہے ہیں اور اُس کے رسول کی مدد کر رہے ہیں۔ یہ احمدیت کی عدمِ اشاعت کا نتیجہ ہے۔ یہ انہیں احمدیت سے ناواقف رکھنے کا نتیجہ ہے۔ اگر یہ لوگ احمدیت سے واقف ہوتے تو یہ نتیجہ کبھی نہ نکلتا۔ چنانچہ جہاں جہاں بھی احمدیت سے لوگوں کو واقفیت ہوگئی ہے اگرچہ وہاں کے تمام لوگ احمدیت میں داخل نہیں ہوئے مگر وہ اتنے جوش میں بھی نہیں آتے۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ علماء انہیں غلط راستے پر لے جاتے ہیں۔ بہرحال ایسے افعال احمدیت سے عدمِ واقفیت کی وجہ سے ہوتے ہیں اور ان کی تمام ذمہ داری جماعت پر ہے۔ یہ تو نہیں ہوسکتا کہ غیر احمدی مولوی لوگوں کو احمدیت کی باتیں سنائیں۔ بہرحال وہ تو احمدیت کو غلط طور پر ہی پیش کریں گے۔ یہ احمدیوں کا اپنا فرض ہے کہ وہ دلیری اور بہادری سے احمدیت کا پیغام لوگوں تک پہنچائیں۔

مَیں نے پہلے بھی کئی دفعہ کہا ہے کہ جماعت پوری طرح تبلیغ کی طرف توجہ نہیں کرتی۔ تبلیغ یہ نہیں کہ کوئی آپ کے پاس آئے اور وہ آپ کی باتیں سن کر کہہ دے سُبْحَانَ اللّٰہِ! احمدیہ جماعت نے اسلام کی بہت بڑی خدمت کی ہے۔ اور آپ کہیں بس تبلیغ ہوگئی۔ یہ کوئی تبلیغ نہیں۔ تبلیغ کے معنے یہ ہیں کہ اُن باتوں کو پیش کیا جائے جنہیں دوسرے لوگ نہیں مانتے، اُن کے سامنے وہ چیزیں پیش کی جائیں جن کے متعلق دشمن اُنہیں اشتعال دلاتا ہے۔ اُنہیں بتایا جائے کہ دراصل آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے۔ یہ تو سچائیاں ہیں اور آپ کو چاہیے کہ انہیں قبول کریں۔ ویسے کسی کو گھر لے جا کر اور چائے پلا کر یہ بتا دینا کہ ہم اسلام کی بڑی خدمت کر رہے ہیں یہ تبلیغ نہیں۔ تبلیغ یہ ہے کہ اُن کے سامنے وہ تلخ باتیں پیش کی جائیں جن کو وہ تلخ سمجھتے ہیں اور جن کی وجہ سے وہ ہماری مخالفت کرتے ہیں۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوٰی نبوت فرمایا اور مکہ میں مخالفت کی آگ بھڑک اُٹھی تو ایک دفعہ عتبہ بن ربیعہ قریش کی طرف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اُس نے کہا کہ مَیں تم سے صرف یہ دریافت کرنے آیا ہوں کہ آخر تم نے جو اپنی قوم میں اِتنا بڑا فتنہ برپا کر رکھا ہے تو اِس سے تمہاری غرض کیا ہے؟ اگر تم مال چاہتے ہو تو ہم سب مل کر تمہارے لیے اتنا مال جمع کر دیتے ہیں کہ تم ہم سب سے زیادہ مالدار ہو جاؤ۔ اگر حکومت کی خواہش ہے تو ہم تمہیں اپنا بادشاہ بنانے کے لیے تیار ہیں۔ اگر شادی کی خواہش ہے تو ہم سب سے زیادہ حسین اور اعلیٰ گھرانے کی لڑکی تمہیں دینے کے لیے تیار ہیں۔ غرض جو بھی تمہاری خواہش ہے کُھل کر بتا دو ہم اُسے پورا کرنے کے ذمہ دار ہوں گے۔ جب وہ اپنی تقریر ختم کر چکا تو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب میرا جواب بھی سن لو۔ اور یہ کہہ کر آپ نے سورۃ حٰمٓ سجدۃ کی ابتدائی آیات تلاوت فرمائیں جن میں خدا تعالیٰ کی توحید کا ذکر آتا ہے۔ جب آپ اِس آیت پر پہنچے کہ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّ ثَمُوْدَ[3] یعنی اگر یہ لوگ اِعراض کریں تو تُو انہیں کہہ دے کہ مَیں تمہیں اُسی قسم کے عذاب سے ڈراتا ہوں جس قسم کا عذاب عاد اور ثمود پر آیا۔ تو عتبہ کا رنگ فق ہو گیا اور اُس نے بے اختیار اپنا ہاتھ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر رکھ دیا اور کہا دیکھو! محمد ایسا نہ کہو۔ آخر یہ آپ ہی کی قوم ہے۔[4] اب دیکھو مکہ والے آپؐ پر ظلم کرتے تھے مگر وہ یہ بھی سمجھتے تھے کہ وہ دعا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ سے نکلے گی وہ عرش کو ہلا دے گی اور ہمیں تباہ کر دے گی۔ پس یہ غلط ہے کہ دشمن ظلم کو نہیں سمجھتا۔ ظلم کبھی لمبا نہیں چلا کرتا بلکہ ایک حد تک ہی چلتا ہے اور پھر بند ہو جاتا ہے۔ اِسی طرح آجکل لوگ بیشک ہماری مخالفت کریں مگر آخر اِنہی میں سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو صداقت کو قبول کریں گے۔

مجھے یاد ہے ایک دفعہ قادیان میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے تقریر کی۔ لوگوں میں ہمارے خلاف بڑا جوش تھا۔ اُنہوں نے اپنی تقریر میں میرے متعلق کہا کہ اگر یہ سچے ہیں تو میرے ساتھ مقابلہ کریں۔ ہم اکٹھے کلکتہ تک کا سفر کرتے ہیں۔ پھر ہم دیکھیں گے کہ کس پر پتھر پڑتے ہیں اور کس پر پُھول برستے ہیں؟ مَیں نے شام کو اپنے جلسہ میں جواب دیا کہ مولوی صاحب نے تو خود ہی صداقت کا فیصلہ کر دیا ہے۔ وہ سوچیں کہ کیا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھر پڑا کرتے تھے یا پُھول برسا کرتے تھے؟ اور ابوجہل پر پتھر پڑا کرتے تھے یا پُھول برسا کرتے تھے؟ پس جو پتھر مارتا ہے یا پتھر مارنے پر

اُکساتا ہے وہ دونوں یہ جانتے ہیں کہ صداقت کارگر ہوگی۔ اِس لیے اُن کے لیے سوائے ظلم کے اَور کوئی چارہ نہیں۔

پھر بعض لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جو مظالم دیکھ کر ایمان لے آتے ہیں۔ پرسوں ہی ایک عجیب واقعہ ہوا۔ ایک نوجوان آیا اور اُس نے کہا مَیں نے بیعت کرنی ہے۔ پھر اُس نے خود ہی بتایا کہ آج صبح مَیں دکان پر گیا تو ابھی مَیں دکان کھول ہی رہا تھا کہ ایک شخص نے مجھے بتایا کہ ہم نے رات ایک قادیانی مار دیا ہے اور اب اُن کا ایک نمبر کم ہوگیا ہے۔ مَیں نے کہا اچھا! اگر اُن کا ایک نمبر کم ہوگیا تو مَیں اُسے پورا کرتا ہوں۔ چنانچہ مَیں نے پھر دکان کو قفل لگا دیا اور سیدھا یہاں چلا آیا تا کہ بیعت کرلوں۔ اب دیکھو وہ پہلے ہماری جماعت میں شامل نہیں تھا مگر جب اُس نے دیکھا کہ شرافت اور انسانیت دنیا سے اِتنی مٹ چکی ہے کہ محض صداقت اور سچائی کے لیے ایک انسان کو قتل کر دیا جاتا ہے تو وہ اسے برداشت نہ کرسکا اور اُس نے جرأت کر کے احمدیت کو قبول کرلیا۔

دنیا میں سارے لوگ گندے نہیں ہوتے۔ دنیا میں بہادر بھی ہوتے ہیں۔ اور ایسے بھی ہوتے ہیں جو مظالم کو دیکھ کر سچائی اور صداقت کو قبول کر لیتے ہیں۔ حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جو اسلام سے پہلے عرب میں بڑے بہادروں میں شمار ہوتے تھے اور اسلام لانے کے بعد بھی انہوں نے بہادری کے کارہائے نمایاں دکھائے ہیں ایسے ہی واقعات کی وجہ سے اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ حضرت حمزہؓ آپؐ کے چچا تھے لیکن اُن کی زندگی سپاہیانہ تھی اور ہر وقت تیراندازی وغیرہ میں مشغول رہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ وہ بڑا کام کر رہے ہیں۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دعوٰی نبوت کیا تو آپ نے بھی سنا۔ آخر آپ قریبی رشتہ دار تھے اور پاس ہی رہتے تھے لیکن آپ نے اس کی کوئی پروا نہ کی۔ آپ سمجھتے تھے کہ یہ زندگی بھی کوئی زندگی ہے۔ زندگی ہے تو ہماری ہے۔ ہر وقت شکار کھیلتے اور تیراندازی میں مشغول رہتے ہیں۔ اِس سے بڑھ کر اَور کیا کام ہوگا۔ ایک دن مکہ کے نزدیک صفا پہاڑی پر رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے ہوئے تھے کہ ابوجہل آیا۔ وہ جوش میں بھرا ہوا تھا۔ اُس نے آتے ہی آپؐ کو بے تحاشا گالیاں دینی شروع کر دیں۔ اور پھر اُس نے یہیں تک بس نہ کی بلکہ آپ کو ایک تھپڑ بھی دے مارا۔ مگر آپؐ نے اُس کے جواب میں صرف اِتنا کہا کہ مَیں نے آپ کا کیا قصور کیا ہے کہ آپ لوگ مجھے دکھ دیتے ہیں؟ صرف اللہ تعالیٰ کا پیغام ہی مَیں آپ لوگوں کو پہنچاتا ہوں اَور تو کچھ نہیں

کہتا۔ مگر اُس کا جوش پھر بھی ٹھنڈا نہ ہوا اور وہ گالیاں دیتا ہوا واپس چلا گیا۔ حضرت حمزہؓ کا گھر قریب ہی تھا۔ آپ کی ایک لونڈی یہ نظارہ دیکھ رہی تھی۔ گھر کی لونڈیاں اگرچہ لونڈیاں ہی ہوتی ہیں مگر زیادہ دیر گھر میں رہنے کی وجہ سے اپنے آپ کو رشتہ دار ہی سمجھنے لگ جاتی ہیں۔ جب آپ کی لونڈی نے وہ نظارہ دیکھا تو اُس کے اندر درد پیدا ہوا۔ مگر عورت تھی وہ کر ہی کیا سکتی تھی؟ شام کو جب آپ شکار سے واپس آئے تو وہ چیل کی طرح جھپٹ کر آپ کی طرف آئی اور کہنے لگی تم سپاہی بنے پھرتے ہو۔ صبح مَیں نے دیکھا ہے کہ تمہارا بھتیجا صفا پہاڑی پر بیٹھا ہوا تھا کہ ابوجہل آیا اور اُس نے بے نقط گالیاں دینی شروع کر دیں۔ پھر عورتوں کی طرح اُس نے قسم کھا کر کہا خدا کی قسم! اُس نے اُسے کچھ بھی نہیں کہا تھا۔ ابوجہل گالیاں دیتا گیا، دیتا گیا مگر وہ خاموش رہا۔ اِس پر اُسے اَور غصہ آیا اور اُس نے اُسے ایک تھپڑ مار دیا۔ مگر اِس پر بھی اُس نے صرف یہی کہا کہ میرا کیا قصور ہے جس کی وجہ سے تم مجھے مارتے ہو؟ مَیں تو آپ لوگوں کو خدا تعالیٰ کی باتیں ہی سناتا ہوں۔ حضرت حمزہؓ بہادر آدمی تو تھے ہی صرف عقل کو دین کی روشنی نہیں ملی تھی۔ اُن کی غیرت نے جوش مارا اور وہ اُسی وقت باہر چلے گئے اور خانہ کعبہ میں آئے۔ ابوجہل وہاں بیٹھا ہوا تھا اور دوسرے رؤسائے مکہ بھی اُس کے اردگرد بیٹھے تھے اور اسلام کے خلاف باتیں ہو رہی تھیں۔ آپ بھی ایک رئیس آدمی تھے۔ جب اُنہوں نے آپ کو آتے دیکھا تو آپ کے لیے جگہ خالی کر دی۔ مگر انہوں نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور آگے گزر کر ابوجہل کے منہ پر کمان ماری اور کہا تم میرے بھتیجے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اِس لیے گالیاں دیتے اور مارتے ہو کہ وہ تمہاری باتوں کا جواب نہیں دیتا؟ اب سُن لے کہ مَیں بھی اُس کے دین پر ہوں۔ اگر تم میں طاقت ہے تو مجھ سے لڑ لو۔ سارے رؤسائے مکہ کھڑے ہو گئے تا کہ وہ اِس ہتک کا بدلہ لیں۔ لیکن ابوجہل نے سمجھ لیا کہ اگر انہوں نے حمزہ کو مارا تو یہ مسلمان تو ہے نہیں مکہ میں لڑائی شروع ہو جائے گی اور بنو ہاشم اور اُن کے حلیف ایک طرف ہو جائیں گے۔ چنانچہ ابوجہل نے اُن سے کہا جانے دو۔ آج صبح مجھ سے ہی غلطی ہو گئی تھی۔ پھر حضرت حمزہؓ وہاں سے اُٹھے اور سیدھے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گئے اور اسلام قبول کر لیا۔[5]

حضرت عمرؓ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کی نیت سے اپنے گھر سے نکلے تھے۔ آپ نے انعام مقرر کیا ہوا تھا کہ جو شخص محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا سر کاٹ کر لائے گا مَیں اُسے اتنے اونٹ انعام دوں گا۔ مگر کسی نے آپؐ کو نہ مارا۔ آخر حضرت عمرؓ کو کسی نے طعنہ دیا کہ تم اتنے

بہادر بنے پھرتے ہو تو خود ہی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کیوں نہیں مار ڈالتے؟ آپ نے سمجھا مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ آپ فوراً گھر سے نکل پڑے۔ آپ کی طبیعت چونکہ جوشیلی تھی اِس لیے گھر سے نکلتے ہی تلوار سونت لی۔ آپ ابھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جا ہی رہے تھے کہ کسی نے آپ سے پوچھا عمر! کہاں جا رہے ہو؟ انہوں نے کہا محمد (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کو مارنے جا رہا ہوں۔ اُس شخص نے کہا تمہاری اپنی بہن اور بہنوئی تو مسلمان ہو چکے ہیں اور تم محمد رسول اللہؐ کو قتل کرنے چلے ہو! حضرت عمرؓ نے کہا تم جھوٹ بولتے ہو۔ اُس نے کہا نہیں۔ تم خود جا کر دیکھ لو۔ حضرت عمرؓ واپس لوٹے اور اپنی بہن کے گھر کی طرف گئے۔ آپ کی بہن اور بہنوئی نے قرآن سیکھنے کے لیے ایک صحابی کو گھر پر بلایا ہوا تھا۔ پردہ ابھی نازل نہیں ہوا تھا۔ پردہ کا حکم مدینہ میں نازل ہوا ہے۔ اُنہوں نے احتیاطاً دروازہ بند کیا ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ دروازہ پر گئے اور اپنی بہن کو آواز دی۔ وہ حضرت عمرؓ کی طبیعت کو جانتی تھیں۔ اس لیے انہوں نے اس صحابی کو چُھپا دیا اور آگے ایک پردہ ڈال دیا اور پھر دروازہ کھولا۔ حضرت عمرؓ نے پوچھا تم نے دروازہ کھولنے میں اِتنی دیر کیوں لگائی ہے؟ انہوں نے کہا کچھ کام کر رہے تھے جس کی وجہ سے دیر لگ گئی ہے۔ آپ نے کہا معلوم ہوتا ہے تمہارے ساتھ کوئی اَور آدمی بھی تھا۔ اور مَیں نے سنا ہے کہ تم صابی ہو گئے ہو۔ مسلمانوں کو اُس وقت صابی کہا جاتا تھا جیسے آجکل ہمیں قادیانی کہا جاتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بہن اور بہنوئی چونکہ ابھی ایمان چُھپانا چاہتے تھے اِس لیے اُنہوں نے ٹلاواں جواب دے دیا۔ حضرت عمرؓ کو جوش آ گیا اور زور سے ہاتھ اُٹھا کر اپنے بہنوئی کو مارنا چاہا۔ چونکہ آپ اپنے بہنوئی کو محض اسلام لانے کی وجہ سے مارنا چاہتے تھے اِس لیے آپ کی بہن کو جوش آ گیا اور اُس نے یہ پسند نہ کیا کہ اسلام کی وجہ سے اُس کے خاوند کو مار پڑے۔ وہ کُود کر آگے آ گئی اور حضرت عمرؓ اور اپنے خاوند کے درمیان حائل ہوگئی اور کہا مَیں تمہیں مارنے نہیں دوں گی۔ اگر مارنا ہے تو مجھے مارو۔ ہم ایمان لا چکے ہیں۔ تمہاری جو مرضی ہو کر لو۔ حضرت عمرؓ بہادر تھے اور شرافتِ نفس آپ کے اندر پائی جاتی تھی مگر چونکہ آپ ہاتھ اُٹھا چکے تھے اِس لیے اپنے ہاتھ کو روک نہ سکے اور مُکّا آپ کی بہن کے ناک پر لگا جس سے خون بہنا شروع ہو گیا۔ چونکہ آپ نے عربوں کے دستور کے خلاف ایک عورت پر ہاتھ اُٹھایا تھا اور پھر غیر مجرم پر ہاتھ اٹھایا تھا، اپنی بہن کا خون نکلتے دیکھ کر اُنہیں ندامت محسوس ہوئی اور اُنہوں نے کہا بہن! مجھ سے غلطی ہوگئی ہے۔ مجھے بتاؤ تو سہی کہ تم کیا پڑھ رہی تھیں؟ لیکن آپ کی بہن کو بھی غصہ تھا۔

وہ بھی آخر حضرت عمرؓ کی ہی بہن تھی۔ انہوں نے کہا تم ناپاک ہو اور مشرک ہو ہم تمہیں قرآن کریم کو ہاتھ نہیں لگانے دیں گے۔ اگر قرآن کریم سننا ہے تو پہلے نہا کر آؤ۔ حضرت عمرؓ جیسا بہادر آدمی بھیگی بلّی کی طرح نہانے کے لیے چلا گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ نہا کر واپس آئے اور فرمایا بہن! میں اب نہا آیا ہوں۔ اب مجھے قرآن سناؤ۔ بہن نے قرآن کریم کا ورق آپ کے ہاتھ میں دے دیا۔ یہی عمرؓ تھا جس نے سارا قرآن کریم سنا تھا مگر پھر بھی مخالفت پر ہی کمر بستہ رہا۔ مگر اب ظلم کی وجہ سے اُس کے دل میں نرمی پیدا ہو چکی تھی اور خدا کا خوف پیدا ہو گیا تھا اور دل کی کھڑکیاں جو پہلے بند تھیں اب کھل چکی تھیں۔ آپ نے ابھی تین چار آیات ہی پڑھی تھیں کہ کھڑے ہو گئے اور کہا بہن! مجھے بتاؤ کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہاں رہتے ہیں؟ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن دنوں خطرے کی وجہ سے ایک مکان میں نہیں ٹھہرتے تھے بلکہ کبھی کسی گھر میں ہوتے تھے اور کبھی کسی گھر میں۔ آپ کی بہن نے آپ کو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پتہ بتا دیا اور آپ فوراً اُس طرف چل دیئے۔ مگر بعد میں خیال آیا کہ کہیں بھائی کی نیت خراب نہ ہو اِس لیے انہوں نے آگے بڑھ کر آپ کی گردن پکڑ لی اور کہا خدا کی قسم! مَیں تمہیں اُس وقت تک نہیں جانے دوں گی جب تک تم یہ اقرار نہیں کرو گے کہ تم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے ادبی نہیں کرو گے۔ حضرت عمرؓ نے کہا مَیں اقرار کرتا ہوں کہ مَیں آپؐ کی بے ادبی نہیں کروں گا۔ پھر انہوں نے آپ کو چھوڑ دیا اور آپ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف چل دیئے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم اُن دنوں دارِ ارقم میں مُقیم تھے۔ دروازہ بند تھا اور آپ قرآن کریم کا درس دے رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ صحابہؓ نے پوچھا کون ہے؟ آپ نے جواب دیا عمر بن خطاب۔ صحابہ نے کہا کہ یہ تو بڑا ظالم آدمی ہے۔ اس نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے انعام مقرر کیا ہوا ہے کہیں یہ شرارت نہ کرنے آیا ہو اِس لیے دروازہ نہیں کھولنا چاہیے۔ حضرت حمزہؓ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے لڑنا صرف عمر کو ہی نہیں آتا ہمیں بھی آتا ہے۔ دروازہ کھول دو۔ مَیں دیکھوں گا کہ وہ کیا کر سکتا ہے۔ اگر نیک نیتی کے ساتھ آیا ہے تب تو خیر ورنہ اُسی کی تلوار سے مَیں اُس کی گردن کاٹ دوں گا۔ صحابہؓ نے دروازہ کھولا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عمر! تم شرارتوں سے باز بھی آؤ گے یا نہیں؟ مگر عمرؓ اب وہ عمر نہیں تھے جو پہلے تھے۔ آپ نے گردن جُھکا لی اور فرمایا یا رسول اللہ! مَیں تو اسلام قبول کرنے کے لیے آیا ہوں۔ حضرت عمرؓ جنہوں

نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کے لیے انعام مقرر کیا ہوا تھا آپ کا ایمان لانا صحابہؓ کے لیے ایک عجیب چیز تھی۔ صحابہؓ نے جوش میں آکر اَللّٰہُ اَکْبَرُ کا نعرہ مارا۔ صحابہؓ کہتے ہیں کہ اس سے پہلے ہمیں کبھی نعرہ تکبیر بُلند کرنے کی جرأت نہیں ہوئی تھی۔ ہم ڈرتے تھے کہ کہیں کفار ہم پر حملہ نہ کر دیں۔ حمزہؓ پہلے ہی مسلمان ہو چکے تھے اور اب حضرت عمرؓ بھی مسلمان ہو گئے تو ہم نے خیال کیا کہ اب ہمیں چُھپ کر بیٹھنے کی ضرورت نہیں۔6

تو دیکھو یہ دونوں پہلوان مظالم کی وجہ سے ہی اسلام میں داخل ہوئے تھے۔ دلیلیں تو انہوں نے پہلے بھی سُنی ہوئی تھیں۔ قرآن کریم پہلے بھی سنا ہوا تھا مگر پہلے اُن پر اثر نہیں ہوتا تھا۔ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتے تھے۔ مگر جب دیکھا کہ اسلام باوجود مخالفت کے بڑھ رہا ہے اور ہم بِلاوجہ مسلمانوں پر ظلم کر رہے ہیں تو اُن کی آنکھیں کھل گئیں۔

حضرت عمرؓ کے ساتھ پہلے بھی ایک واقعہ اسی رنگ کا ہو چکا تھا۔ ایک صحابیہؓ کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حبشہ کی طرف ہجرت کرنے کی اجازت دی تو ہم رات کو نکلتے تھے تا کہ کفار کو ہمارا علم نہ ہو سکے اور وہ ہمیں لُوٹ نہ لیں۔ ہم سحری کے وقت سامان باندھ رہے تھے کہ اتفاقاً حضرت عمرؓ بھی پھرتے پھراتے وہاں آ گئے۔ حضرت عمرؓ شاید اُس صحابیہؓ کے رشتہ دار تھے یا ویسے ہی واقف تھے۔ احادیث میں تعلقات کا ذکر نہیں آتا۔ وہ صحابیہ کہتی ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا بی بی! تم کہاں جا رہی ہو؟ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم وطن چھوڑ کر کہیں باہر جا رہی ہو۔ انہوں نے کہا وطن کیوں نہ چھوڑیں وطن کس کو عزیز نہیں ہوتا پھر مکہ جیسا وطن۔ مگر تم ہمیں یہاں آزادی سے عبادت نہیں کرنے دیتے۔ اِس لیے باوجود اِس کے کہ مکہ ہمیں بہت عزیز ہے ہم مجبور ہیں کہ یہاں سے نکل جائیں۔ حضرت عمرؓ اس وقت کافر ہی تھے مگر وہ صحابیہ بیان کرتی ہیں کہ جب مَیں نے حضرت عمرؓ سے یہ کہا کہ ہم وطن اِس لیے چھوڑ رہے ہیں کہ تم یہاں ہمیں آزادی سے عبادت نہیں کرنے دیتے تو میری آواز میرے خاوند نے بھی سن لی اور اُس نے بعد میں پوچھا کہ یہ کون شخص تھا جس سے تم باتیں کر رہی تھیں؟ مَیں نے کہا یہ عمرؓ تھا۔ اور پھر مَیں نے بتایا کہ مَیں نے اُسے کیا کہا ہے۔ میرے خاوند نے کہا عمر بڑا سنگدل آدمی ہے، اُس پر کسی بات کا اثر نہیں ہوتا۔ مَیں نے کہا آج تو اُس پر اثر تھا۔ جب مَیں نے اُسے کہا کہ تم ہمیں آزادی سے یہاں عبادت کرنے نہیں دیتے اِس لیے ہم مکہ جیسے عزیز وطن کو چھوڑنے

پر مجبور ہیں تو اُسے اُس وقت یقیناً صدمہ پہنچا تھا۔ اُس نے فوراً دوسری طرف اپنا منہ کرلیا۔ شاید اُس کی آنکھوں میں آنسو تھے جو وہ مجھ سے چھپانا چاہتا تھا اور پھر منہ پھیر کر اُس نے کہا اچھا جاؤ خدا حافظ۔7 غرض مظالم کو دیکھ کر سنگدل سے سنگدل انسان کے اندر بھی نرمی پیدا ہو جاتی ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ ہجرت کر کے تشریف لے گئے تو آپ کی ایک صاحبزادی یعنی حضرت زینب پیچھے رہ گئی تھی۔ آپؐ نے وہاں سے چند آدمی بھیجے تا اُنہیں مدینہ لے آئیں۔ آپ اُن دنوں حاملہ تھیں۔ راستہ میں کسی بدبخت نے آپ کے ہودج کی رسیاں کاٹ دیں جس کی وجہ سے ہودج نیچے گر پڑا اور آپ کو چوٹیں آئیں جن کے نتیجہ میں آپ کا حمل بھی گر گیا اور ایک مہینہ کے بعد اُسی تکلیف کی وجہ سے آپ فوت ہوگئیں۔ وہ شخص فوراً دوڑتا ہوا خانہ کعبہ میں آیا۔ وہاں رؤسائے مکہ بیٹھے ہوئے تھے۔ ابوسفیان کی بیوی ہندہ بھی وہاں تھی۔ وہ ہندہ جس نے حضرت حمزہؓ کے ناک اور کان کٹوائے تھے اور آپ کا پیٹ چاک کروایا تھا۔ وہ شخص بڑے جوش سے اُن کے پاس جا کر کہنے لگا کہ مَیں نے آج خوب ہی اچھا کام کیا ہے۔ محمد رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کی بیٹی زینب مدینہ جارہی تھی کہ مَیں نے اُس کے ہودج کی رسیاں کاٹ دیں اور وہ نیچے گر پڑی اور اُسے بُری طرح چوٹیں آئیں۔ اب دیکھو یہ ایک ظلم کی بات تھی۔ ہندہ آپؐ کی شدید ترین دشمن تھی لیکن جب اُس نے یہ بات سُنی تو فوراً کھڑی ہوگئی اور کہنے لگی اے مکہ والو! کیا تم میں اب کوئی شرافت باقی نہیں رہی کہ پہلے تو تم عورتوں پر ہاتھ نہیں اُٹھایا کرتے تھے اور اب تم نے عورتوں پر بھی ہاتھ اُٹھانا شروع کر دیا ہے۔8

غرض مظالم صداقت کو دبایا نہیں کرتے بلکہ اُسے بالا کیا کرتے ہیں۔ دنیا کے سارے لوگ گندے نہیں ہوتے۔ اُن میں شریف بھی ہوتے ہیں۔ بہادر اور دلیر بھی ہوتے ہیں۔ ایسے لوگ آگے آجاتے ہیں اور اُنہی کی الٰہی سلسلوں کو ضرورت ہوا کرتی ہے۔ یہی دلیر لوگ قوم کو بڑھانے اور مذہب کو ترقی دینے کا موجب بنتے ہیں کیونکہ جو شخص دین کی راہ میں جرأت دکھاتا ہے اور جان تک کی بھی پروا نہیں کرتا خدا خود اُس کا رعب پیدا کر دیتا ہے اور شریف اور بہادر آدمی مذہب کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

جیسا کہ مَیں نے پہلے بھی بتایا ہے آج تک کوئی قوم پھولوں کی سیج پر چل کر کامیاب نہیں ہوئی۔ ہمیشہ اُسے کانٹوں پر سے گزرنا پڑا ہے۔ سو آپ لوگ اپنے اندر ایک نیک تبدیلی پیدا کریں اور

تبلیغ کو وسیع کریں۔آپ نے بیعت کرتے وقت یہ وعدہ کیا تھا کہ آپ دین کو دنیا پر مقدم رکھیں گے۔دین کو دنیا پر مقدم آپ اِسی صورت میں رکھ سکتے ہیں جب کہ آپ زیادہ وقت تبلیغ میں صَرف کریں۔اگرتم پر ظلم ہوتے ہیں، لوگ تم پر سختیاں کرتے ہیں، تمہاری تجارتیں اور نوکریاں چُھٹ جاتی ہیں تو تم مت پروا کرو۔صحابہؓ کا جب آپ لوگ نام لیتے ہیں تو آخر میں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کا لفظ بڑھا دیتے ہیں۔یہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے الفاظ صحابہؓ کے ناموں کے ساتھ کیوں چل رہے ہیں؟ اِس لیے کہ انہوں نے ابتدائی وقت میں قربانیاں کیں اور اِس درخت کے بیج بوئے جس کا پھل آج ہم کھا رہے ہیں۔اگر وہ اس درخت کا بیج نہ بوتے اور اس کو اپنے خونوں سے نہ سینچتے تو آج ہم اسلام کے نور سے منور نہ ہوتے۔چونکہ صحابہؓ نے ایک ایسے زمانے میں جب اسلام لانے کی وجہ سے ہر شخص واجبُ القتل قرار دیا جاتا تھا نڈر ہو کر تبلیغ کی۔اِس لیے جب ہم اُن کا نام لیتے ہیں تو ساتھ ہی رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کہتے ہیں۔آپ لوگوں کا بھی یہ دعوٰی ہے کہ آپ کو بھی وہی مقام حاصل ہے جو صحابہؓ کو حاصل تھا۔آپ بھی امید کرتے ہیں کہ آپ کے ناموں کے ساتھ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے الفاظ لگیں اور اگر آپ امید نہیں بھی کرتے تب بھی خدا تعالیٰ نے آپ کے لیے یہ انعام مقدر کر دیا ہے کہ آپ کے ناموں کے ساتھ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ کے الفاظ کہے جائیں اور یہ اُس وقت ہوسکتا ہے جب آپ صحابہؓ کی طرح دیوانہ وار تبلیغ کے لیے کھڑے ہو جائیں اور اپنی کسی چیز کی بھی پروا نہ کریں۔رات دن آپ تبلیغ میں لگا دیں۔آپ کے اندر ہمدردی اور درد اِس قدر پایا جائے کہ آپ کا مخاطب بھی یہ محسوس کرنے لگ جائے کہ آپ اُس کی خاطر مرے جا رہے ہیں۔اگر آپ اپنے اندر ایسی تبدیلی پیدا کر لیں تو پھر احمدیت یقیناً پھیلے گی۔اور وہی لوگ جو آج آپ کو پتھر مارتے ہیں کل آپ کے سامنے دو زانو ہو کر بیٹھیں گے اور کہیں گے ہم تو آپ کو پتھر نہیں مارا کرتے تھے۔جیسے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ جب مسلمانوں کا کوئی لشکر مدینہ سے باہر جاتا تو منافق کہتے تھے کہ یہ بیوقوف ہیں۔یونہی اپنی جانیں ضائع کرنے جا رہے ہیں۔مگر وہی لشکر جب فاتح ہو کر واپس آتا تو وہ منافق باہر نکل کر اُس کے ساتھ ہو جاتے اور کہتے ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں۔مالِ غنیمت میں ہمارا بھی حصہ ہونا چاہیے۔یہ لوگ بالکل مُردہ کی حیثیت رکھتے ہیں اور اُن کی کوئی حقیقت نہیں۔اگر کسی کی کوئی حقیقت ہے تو اُن لوگوں کی جو قربانیوں کے ساتھ ساتھ آگے بڑھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر توکّل کر کے اپنے فرض کو ادا کرتے جاتے ہیں۔

اگر وہ اِس راہ میں مارے جاتے ہیں تو اُن پر اور اُن کی تُربت پر خدا تعالیٰ کی رحمتیں ہوتی ہیں۔ اور اگر زندہ رہتے ہیں تو اُن پر اور اُن کی اولادوں پر خدا تعالیٰ کی رحمتیں ہوتی ہیں"۔

(غیر مطبوعہ از ریکارڈ خلافت لائبریری ربوہ)

1: صحیح بخاری کتاب مناقب الانصار باب مناقب الانصار رضی اللہ عنھم

2: اُذِنَ لِلَّذِیْنَ یُقٰتَلُوْنَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰی نَصْرِهِمْ لَقَدِیْرُ (الحج:40)

3: حٰمٓ السجدۃ:14

4: مستدرک حاکم جلد 2 صفحہ 278 حدیث نمبر 3002۔ مطبع بیروت 1990ء

5: سیرت ابن ہشام جلد اول صفحہ 311، 312۔ اسلام حمزۃ رحمہُ اللّٰہ۔ مطبع مصر 1936ء

6: سیرت ابن ہشام جلد اول صفحہ 367 تا 371۔ اسلام عمر بن الخطابؓ۔ مطبع مصر 1936ء

7: السیرۃ الحلبیۃ جلد اول صفحہ 361۔ مطبوعہ مصر 1932ء

8: سیرت ابن ہشام جلد دوم 309 تا 311۔ خروج زینب الی المدینۃ۔ مطبع مصر 1936ء